مقالات

حضرت مولانا مجد القدوس خبیب رومی دامت برکاتہم العالیہ

اصلاحی مجلس

قسط نمبرا

گزشتہ دنوں مدرسہ عربیہ مظاہرِ علوم، سہارنپور کے صدر مفتی حضرت مولانا مفتی مجد القدوس خبیب رومی صاحب دامت برکاتہم العالیہ تشریف لائے ہوئے تھے، اس سفر کے دوران آپ نے فقہ اکیڈمی کا دورہ بھی کیا۔ اکیڈمی کے جملہ اراکین واحباب کے لیے باعثِ سعادت ہے کہ حضرت نے فقہ اکیڈمی کو رونق بخشی اور قیمتی نصائح سے نوازا، حضرت کی گفتگو ٹرانسکرپشن اور ضبط وترتیب کے بعد پیشِ خدمت ہے

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

﴿وَالْعَصْرِ*إِنَّ الْإِنسَانَ لَفِي خُسْرٍ*إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ﴾

"قسم ہے عصر کی۔ مقرر انسان ٹوٹے میں ہے۔ مگر جو لوگ کہ یقین لائے، اور کیے بھلے کام، اور آپس میں تاکید کرتے رہے سچے دین کی، اور آپس میں تاکید کرتے رہے تحمل کی"۔

"عصر" زمانے کو کہتے ہیں، یعنی قسم ہے زمانے کی جس میں انسان کی عمر بھی داخل ہے، جسے تحصیلِ کمالات وسعادات کے لیے ایک متاعِ گراں مایہ سمجھنا چاہیے، یا قسم ہے نمازِ عصر کے وقت کی جو کاروباری دنیا میں مشغولیت اور شرعی نقطۂ نظر سے نہایت فضیلت کا وقت ہے (حتیٰ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث میں ارشاد فرمایا کہ جس کی نمازِ عصر فوت ہوگئی گویا اس کا سب گھر بار لٹ گیا) یا قسم ہے ہمارے پیغمبر کے زمانۂ مبارک

کی، جس میں رسالتِ عظمیٰ اور خلافتِ کبریٰ کا نور اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ چمکا۔

اس سے بڑھ کر ٹوٹا کیا ہو گا کہ برف بیچنے والے دکاندار کی طرح اس کی تجارت کا راسُ المال جسے عمرِ عزیز کہتے ہیں، دم بدم کم ہوتا جارہا ہے۔ اگر اس رواروی میں کوئی ایسا کام نہ کرلیا جس سے یہ عمرِ رفتہ ٹھکانے لگ جائے، بلکہ ایک ابدی اور غیرِ فانی متاع بن کر ہمیشہ کے لیے کار آمد بن جائے، تو پھر خسارے کی کوئی انتہا نہیں۔ زمانے کی تاریخ پڑھ جاؤ اور خود اپنی زندگی کے واقعات پر غور کرو تو ادنیٰ غور و فکر سے ثابت ہو جائے گا کہ جن لوگوں نے انجام بینی سے کام نہ لیا اور مستقبل سے بے پروا ہو کر محض خالی لذتوں میں وقت گزار دیا وہ آخر کار کس طرح ناکام و نامراد بلکہ تباہ و برباد ہو کر رہے۔ آدمی کو چاہیے کہ وقت کی قدر پہچانے اور عمرِ عزیز کے لمحات کو یونہی غفلت و شرارت یا لہو و لعب میں نہ گنوائے۔ جو اوقات تحصیلِ شرف و مجد اور اکتسابِ فضل و کمال کی گرم بازاری کے ہیں، خصوصاً وہ گراں مایہ اوقات جن میں آفتابِ رسالت اپنی انتہائی نور افشانی سے دنیا کو روشن کر رہا ہے، اگر غفلت و نسیان میں گزار دیے گئے، تو سمجھو کہ اس سے بڑھ کر آدمی کے لیے کوئی خسارہ نہیں ہو سکتا۔ بس خوش نصیب اور اقبال مند انسان وہی ہیں جو اس عمرِ فانی کو باقی اور ناکارہ زندگی کو کار آمد بنانے کے لیے جدوجہد کرتے ہیں اور بہترین اوقات اور عمدہ مواقع کو غنیمت سمجھ کر کسبِ سعادت اور تحصیلِ کمال کی کوشش میں سرگرم رہتے ہیں۔ اور یہ وہی لوگ ہیں جن کا ذکر آگے: ﴿إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ﴾ میں کیا گیا ہے۔ یعنی انسان کو خسارے سے بچنے کے لیے چار باتوں کی ضرورت ہے: اول خدا اور رسول پر ایمان لائے اور ان کی ہدایات اور وعدوں پر خواہ دنیا سے متعلق ہوں یا آخرت سے، پورا یقین رکھے۔ دوسرے، اس یقین کا اثر محض قلب و دماغ تک محدود نہ رہے بلکہ جوارح میں ظاہر ہو، اور اس کی عملی زندگی اس کے ایمانِ قلبی کا آئینہ ہو۔ تیسرے، محض اپنی انفرادی صلاح و فلاح پر قناعت نہ کرے بلکہ قوم و ملت کے اجتماعی مفاد کو پیشِ نظر رکھے، جب دو مسلمان ملیں ایک دوسرے کو اپنے قول و فعل سے سچے دین اور ہر معاملے میں سچائی اختیار کرنے کی تاکید کرتے رہیں۔ چوتھے ہر ایک کو دوسرے کی یہ نصیحت و وصفت رہے کہ حق کے معاملے میں اور شخصی و قومی اصلاح کے راستے میں جس قدر سختیاں اور دشواریاں پیش آئیں یا خلافِ طبع امور کا تحمل کرنا پڑے، پورے صبر و استقامت سے تحمل کریں، ہر گز

قدم نیکی کے راستے میں ڈگمگانے نہ پائے۔ جو خوش قسمت حضرات ان چار اوصاف کے جامع ہوں گے اور خود کامل ہوکر دوسروں کی تکمیل کریں گے ان کا نام صفحاتِ دہر پر زندہ جاوید رہے گا، اور جو آثار چھوڑ کر دنیا سے جائیں گے وہ بطور باقیاتِ صالحات ہمیشہ ان کے اجر کو بڑھاتے رہیں گے۔ فی الحقیقت یہ چھوٹی سی سورت سارے دین و حکمت کا خلاصہ ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے سچ فرمایا کہ اگر قرآن میں سے صرف یہی ایک سورت نازل کردی جاتی تو (سمجھ دار بندوں کی) ہدایت کے لیے کافی تھی۔ بزرگانِ سلف میں جب دو مسلمان آپس میں ملتے تھے، جدا ہونے سے پہلے ایک دوسرے کو یہ سورت سنایا کرتے تھے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ وقت کی اہمیت کتنی زیادہ ہے۔ یہ وقت اور یہ نظامِ عالم اللہ تبارک وتعالیٰ کا ہے جو اسی کے حکم کے تابع رہتا ہے، وہ ہماری مرضی کے مطابق ہو یا نہ ہو لیکن مومن کے لیے خیر اسی میں ہے کہ وہ اپنی مرضی کو اللہ کی مرضی میں فنا کردے۔ احقر کے شیخ و مرشد حضرت جلال آبادی نور اللہ مرقدہٗ فرمایا کرتے تھے کہ پریشانی اُس وقت ہوتی ہے جب آدمی خود تجویز کرلیتا ہے۔ جب وہ تفویض کی صورت اختیار کرلے کہ ہم اللہ کے سپرد ہیں تو پھر پریشانی ختم ہوجاتی ہے ورنہ کم تو ہو ہی جاتی ہے۔ آدمی جب بھی کوئی حساب کتاب لگاتا ہے اور اُس کے خلاف ہوتا ہے، اُسی سے پریشانی ہوتی ہے۔ پریشانی نام ہے خلافِ طبیعت بات کے پیش آنے کا، اِسی لیے حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہٗ کا بڑا جامع ارشاد ہے، جس کو حضرت کے عاشقِ صادق حضرت خواجہ عزیزالحسن غوری مجذوب رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے۔ اصل ارشاد تو حضرت تھانوی رحمہ اللہ کا نثر میں ہے، اُس کو خواجہ صاحب رحمہ اللہ نے نظم کردیا ہے بات کو یاد رکھنے کے لیے:

رکھ ہمیشہ نظر میں دو باتیں اے دو عالم کی خیر کے طالب
طبع غالب نہ عقل پر ہو کبھی اور نہ ہو عقل عشق پر غالب

طبیعت کو عقل پر غالب نہ کرے، عشقِ الٰہی جس کا نام دستورِ شریعت ہے۔ ہمارے ایک بزرگ فرماتے ہیں:

اگر آزاد ہم ہوتے خدا جانے کہاں ہوتے؟
مبارک عاشقوں کے واسطے دستور ہو جانا

دستور کیا ہے؟ شریعت۔ اِسی لیے حضرت، محدثِ فقیہ، حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری رحمہ

اللہ فرماتے تھے کہ ہمارے بزرگوں کا سوچا سمجھا خیال ہے کہ شریعت؛ اللہ تبارک و تعالیٰ سے محبت کی میزان ہے، جس درجے کی محبتِ الٰہیہ ہوگی، اُسی درجے کے حکمِ شرعی پر عمل ہوگا۔ اگر اُس کو محبت اعلیٰ درجے کی حاصل ہے تو مستحبات پر عمل کرے گا، درمیانی درجے کی ہے تو مسنونات نہیں چھوڑے گا۔ ورنہ کم ازکم یہ ہے کہ وہ فرائض وواجبات سے نیچے نہیں جائے گا کیونکہ اُس کے نیچے کوئی درجہ نہیں، وہ تو آخری درجہ ہے کہ فرائض وواجبات پر اکتفا کرے گا۔ تو فرائض وواجبات کے اوپر مسنونات ہیں، اُن کے بعد مستحبات ہیں اور یہ میزانِ محبت ہے، ترازو ہے کہ کس درجے کی محبت دل میں ہے؟ اِسی لیے خود کو جانچنے اور پرکھنے کے حوالے سے ہمارے بزرگوں کا ایک اور ارشاد ہے: اگر اللہ تبارک و تعالیٰ کے ہاں اپنا مقام جاننا چاہو کہ کیا ہے تو یہ دیکھو کہ ہمارے دل و دماغ میں اللہ تعالیٰ کے احکام کا کیا درجہ ہے، جو درجہ ہمارے یہاں اُس کے احکام کا ہے، وہی درجہ ہمارا اس کے وہاں ہے، ہم اُس کو کتنا پیشِ نظر رکھتے ہیں اور کتنا پسِ پشت، بس اِسی کو جانچتے اور پرکھتے رہنا ہے۔ اِسی مناسبت سے خیال آیا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے آپ کو ہمارے مولانا موصوف (مفتی اویس پاشا قرنی صاحب) کی نسبت سے جو معمولات ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائی، اِس وقت جو مغرب کے بعد ادا کیے گئے ہوں گے، اُس میں، میں حائل نہیں ہوا اور آپ حضرات نے سکون سے اُس کو ادا کرلیا ہوگا۔ میں نے اپنے عزیز ذاکر میاں سے کہلوا دیا تھا کہ بھئی وہ معمولات اپنے معمول کے مطابق جاری رکھیں تاکہ مغرب سے عشا تک انتظار میں وقت نہ ضائع ہو جائے، طبیعت یکسو رہے۔ حضرت تھانوی رحمہ اللہ کا ارشاد ہے: ”چاہے ایک سوئی نہ ہو مگر یکسوئی ہو“۔ ایک سوئی سے مراد ہے مال۔ چاہے مال وال نہ ہو آدمی کے پاس لیکن یکسوئی ہو، کوئی حائل اور حارج نہ ہو، مانع نہ ہو، یہ کب ہوگا، اُسی وقت ہوگا جب آدمی اپنے آپ کو اللہ کے حوالے کردے۔ اور جب تک ہم لوگ اپنے آپ کو نفس اور شیطان کے حوالے رکھیں گے، اندر سے نفس کے اور باہر سے شیطان کے تو اِسی کشمکش میں رہیں گے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ ہم سب کو اِس کا استحضار نصیب فرمائے اور اِس کی ہمت نصیب فرمائے۔ حضرت حکیم الامت تھانوی نور اللہ مرقدہٗ کا دو لفظی ارشاد ہے جو بڑے کام کا ہے: استحضار اور ہمت، استحضار کے لیے دعا کرے، بھول نہ ہو، یاد رہے، موقعے پر یاد آجائے

اور کرنے کے لیے جو ارادہ اور قوت چاہیے، وہ آدمی کر گزرے۔

حضرت حکیم الامت کے مرض الوفات کے ملفوظات خاتمۃ السوانح میں دیکھیں، بالکل دریا بکوزہ ہیں۔ ہمارے دو بزرگوں نے اُس کو جمع فرمایا، اللہ تعالیٰ اُن کو جزائے خیر دے: ایک تو حضرت خواجہ عزیز الحسن صاحب غوری مجذوب رحمہ اللہ، اُنھوں نے تذکرے کے دوران حضرت کے وہ تمام ملفوظات خاتمۃ السوانح میں جمع فرما دیے، اور حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی رحمہ اللہ نے باقاعدہ تاریخ وار ملفوظات مرض الوفات کے جمع فرما دیے ہیں، ایک ایک ملفوظ کے عنوان سے، تاریخ وار، وہ بھی خاتمۃ السوانح میں ہیں تو اُس میں حضرت نے ایسی دریا بکوزہ ایک ایک لفظی بات فرمائی کہ اُس کو آدمی حرزِ جاں بنائے ساری عمر کام آنے والی چیز ہے۔ جیسے یہی ارشاد ہے کہ طبیعت کو عقل کے ماتحت رکھے، اِس کا فائدہ کیا ہوگا؟ دنیا میں آدمی پریشان نہیں ہوگا اور عقل کو شریعت کے ماتحت رکھے، آخرت میں پشیمان نہ ہوگا ان شاء اللہ۔ اللہ تعالیٰ اِس کا استحضار اور ہمت نصیب فرمائے۔ حضرت مجدد الفِ ثانی شیخ احمد سرہندی رحمہ اللہ نے فرمایا: دو چیزیں حاصلِ تصوف ہیں: ایک تو محبتِ شیخ اور دوسرے اتباعِ سنت۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت تھانوی رحمہ اللہ کو عجیب ذہن دیا تھا، حضرت نے فرمایا: اس میں اصل مقصود تو اتباعِ سنت ہے اور محبتِ شیخ وسیلہ ہے۔ شیخ العالَم حضرت مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی رحمہ اللہ حضرت جب مالٹا سے واپس تشریف لائے، اللہ تعالیٰ کا فضل، اُس کا احسان کہ احقر نے اُن بزرگوں کی زیارت کی ہے، جنھوں نے حضرت مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی رحمہ اللہ سے وہ کلمات سنے تھے دار العلوم دیوبند کے دار الافتاء کی چھت پر تراویح کے بعد حضرت تشریف فرما ہوئے۔ اور وہاں یہ دو ارشاد فرمائے کہ میں نے مالٹا میں، وہاں کی اسیری اور قید کے زمانے میں دو سبق یاد کیے ہیں، لوگوں کو خیال ہوا کہ بھئی کیا سبق یاد کیے ہیں! یہ تو استاذ الاساتذہ ہیں اور یہ کیا دو سبق وہاں سے پڑھ کر آئے ہیں، سب گوش بر آواز ہوئے، فرمایا: ”امت کا عالمی طور پر جو انحطاط و زوال ہے، اُس کے دو سبب معلوم ہوئے، ایک قرآنِ پاک کو چھوڑ دینا اور دوسرے آپس میں انتشار اور مخالفت“۔ اختلاف مراد نہیں ہے، حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کی بڑی بہترین تعبیر ہے، میں نے

حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمی سے سنی، اُنھوں نے اپنے والد صاحب سے سنی، اُنھوں نے اپنے والد صاحب سے، اُنھوں نے حضرت نانوتوی سے کہ ”اختلاف توبات سے ہوتا ہے اور مخالفت ذات سے ہوتی ہے“۔ فرمایا: کیونکہ بعض اوقات اختلاف واجب اور اتفاق ممنوع ہوتا ہے، اِسی لیے حضرت حکیم الامت، مجدد الملت، محی السنۃ الظاہرۃ والباطنۃ، حضرت مولانا تھانوی نور اللہ مرقدہٗ نے اختلاف کی جو ممکنہ صورتیں ہیں، اصولی طور پر اُن کا حکم لکھوایا کہ اِس قسم کا اختلاف حرام ہے، اِس قسم کا اختلاف جائز ہے بلکہ واجب ہے، اگر اختلاف نہیں کرے گا تو سب معاملہ گڑبڑ ہو جائے گا۔

احقر جب حضرت جلال آبادی نور اللہ مرقدہٗ کی خدمت میں حاضر ہوا تو حضرت نے پہلے دن فرمایا: اصلاح تو واجب ہوتی ہے مگر اعتراض حرام ہوتا ہے۔ فرمایا: یہ سلوک میں ضروری ہے، اِس کے بغیر سلوک طے نہیں ہوتا۔ اعتراض میں منشا فضیحت کا ہوتا ہے، نصیحت کا پہلو نہیں ہوتا، اِسی لیے ایک بڑے عالم نے بات لکھی ہے کہ اصلاح اور اعتراض میں بسا اوقات صورت ملتی جلتی ہوتی ہے لیکن منشا مختلف ہوتا ہے، اصلاح دوست کرتا ہے اور اعتراض دشمن کرتا ہے۔ فرمایا: دونوں کے منشے الگ الگ ہوتے ہیں، اِس کا منشا ہوتا ہے کہ اِس کی اصلاح ہو جائے، درستی ہو جائے، اُس کا منشا یہ ہوتا ہے کہ ہم اِس کو اخبار میں، اشتہار میں دے دیں تاکہ یہ بدنام ہو۔ ساہیوال میں حضرت مولانا مفتی عبد الشکور ترمذی رحمہ اللہ تھے، اُنھوں نے مجھے بتایا کہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے خواص وعشاق کی نظر میں ایک تحریر آئی، حضرت تھانوی رحمہ اللہ پر کسی مفتی صاحب کا کوئی اعتراض اخبار میں چھپا تھا۔ اُنھوں نے حضرت پر اعتراضات کیے تھے۔ تو حضرت کی طرف سے جن حضرات نے صفائی میں مضمون لکھا تو فرمایا کہ، ہمارے والد صاحب نے بھی لکھا تو اُنھوں نے اُس میں تحریر فرمایا: ”ایک اخباری مفتی صاحب۔۔۔“۔ حضرت نے جب مضمون ملاحظہ فرمایا تو یہ تعبیر لکھوائی: ”ایک مفتی صاحب نے اخبار میں۔۔۔“، فرمایا: اخباری مفتی لکھو گے تو وہ چڑ جائیں گے اور پھر وہ کچھ دوسرا وار شروع کر دیں گے، کہا کہ ملا آں باشد کہ چپ نہ شود۔ کسی نے خواجہ مجذوب صاحب سے پوچھا تھا کہ آپ ”مسٹر“ تھے، حضرت ”ملا“ تھے، دوستی کیسے ہو گئی؟۔ ”ملا اور مسٹر کی نوک جھونک“ اُن کی نظم ہے بہت مشہور، وہ بی اے تھے اور ڈپٹی کلیکٹر بھی

رہے۔انھوں نے محض تقوے کی بنا پر استعفیٰ دے دیا۔ایک شخص آیا درخواست لے کر،اُس نے سود کی درخواست دی تھی، فرمایا: نہیں بھئی، سود لینا، دینا، لکھنا، گواہ بننا، سب حرام ہے، سب پر لعنت آئی ہے، ہم ملعون چیز پر دستخط نہیں کرسکتے،اُس نے جاکے کلیکٹر سے شکایت کی کہ صاحب یہ ڈپٹی کلیکٹر صاحب عجیب آدمی ہیں، کہہ رہے ہیں کہ ہم اِس پر دستخط نہیں کرسکتے ہیں، ملعون چیز ہے۔تو کلیکٹر انگریز تھا، حضرت فرماتے تھے: ”دانا دشمن ہے“۔وہ انگریز سمجھ دار تھا، مسکرایا، اُس نے پوچھا: کیا بات ہے خواجہ صاحب؟ آپ نے منظور کیوں نہیں کیا؟ آپ نے کہا: نہیں، نہیں ہم اِس پر سود کی منظوری نہیں دے سکتے۔تو کلیکٹر نے کہا کہ یہ تو آپ کی ڈیوٹی ہے۔فرمایا: اچھا میری ڈیوٹی ہے؟ ٹھیک ہے، کاغذ دیں۔بیٹھے، کاغذ لیا، استعفیٰ لکھا، استعفیٰ لکھ کر دے دیا تو وہ کہنے لگا کہ یہ کیا کیا آپ نے؟ کہا: نہیں میں ایسی ملازمت نہیں کرسکتا جس میں سود کی اجازت دینی پڑے اور ملعون بنوں۔اب وہ سمجھ دار تھا، اُس نے فوراً اُس درخواست پر منظوری کے ساتھ ساتھ لکھا: ”آدمی بہت کام کے ہیں، مگر اِن کو تقوے کا ہیضہ ہے، یہ بہت احتیاط کرتے ہیں، اِس لیے اِنھوں نے سود کی ڈگری نہیں دی، اور میرا خیال یہ ہے کہ اگر اِن کو شعبہ تعلیم میں بھیج دیا جائے تو اُس کا نظام بہت اچھا ہوسکتا ہے، آدمی بہت منتظم ہے اور اپنے کام میں بہت اصولی ہے“۔کام چور سے کون کام لے؟ دین دار اِس کا بڑا خیال رکھتے ہیں کہ ہماری روزی، ہماری کمائی حرام نہ ہوجائے، تطفیف میں داخل ہے کام چوری، اُس نے سفارش لکھی اور حضرت کو اگلے ماہ سے دوسری ملازمت مل گئی۔تو خواجہ صاحب سے کسی نے کہا کہ آپ مسٹر تھے، حضرت تھانوی ملا تھے، دوستی کیسے ہوگئی؟ تو خواجہ صاحب چونکہ شاعر اور ادیب بھی تھے، مزاحیہ تھے، فرمایا: میں نے اپنی ٹر miss کردی، کہا: ملا جو ہے، یہ بہت ٹرّا ہوتا ہے، مسٹر کا دماغ درست کردیتا ہے، اِس لیے اِس کے سامنے نہیں بولنا چاہیے۔تو حضرت سے میں دین سیکھنے گیا تھا تو فرمایا: میں نے اپنی ٹر مِس کردی، دوستی ہوگئی اور پھر تو حضرت کے عاشق ہوگئے۔

جاری ہے

* * * * *

مقالات

حضرت مولانا مجد القدوس خبیب رومی دامت برکاتہم العالیہ

اصلاحی مجلس

قسط نمبر ۲

گزشتہ دنوں مدرسہ عربیہ مظاہرِ علوم، سہارنپور کے صدر مفتی حضرت مولانا مفتی مجد القدوس خبیب رومی صاحب دامت برکاتہم العالیہ تشریف لائے ہوئے تھے، اس سفر کے دوران آپ نے فقہ اکیڈمی کا دورہ بھی کیا۔ اکیڈمی کے جملہ اراکین واحباب کے لیے باعثِ سعادت ہے کہ حضرت نے فقہ اکیڈمی کو رونق بخشی اور قیمتی نصائح سے نوازا، حضرت کی گفتگو ٹرانسکرپشن اور ضبط وترتیب کے بعد پیشِ خدمت ہے

حضرت مولانا ابرار الحق صاحب نے فرمایا کہ ایک دفعہ میں حضرت خواجہ مجذوب الحسن صاحب کے ساتھ آیا تھا، حضرت چونکہ شکار کا بھی شوق رکھتے تھے، بڑے چست مزاج کے آدمی تھے، تو فرمایا کہ دہرہ دون سے مسوری پہاڑ پر سواری سے نہیں چلیں گے، پہاڑوں میں سے چلیں گے۔ اور راستے میں حضرت نے پہاڑ پر چڑھتے ہوئے فرمایا: مولوی ابرار الحق! مسوری آنا کس کے لیے جائز ہے؟ یہ عجیب مسئلہ ہے، مسوری آنا کس کے لیے جائز ہے؟ میں سمجھ گیا کہ حضرت کچھ بتلانا چاہتے ہیں۔ میں نے خواجہ صاحب سے عرض کیا کہ حضرت ہی فرمائیں! فرمایا: جس کو مشق ہو نظر بر قدم بر شجر بر حجر کی، وہ ایسی جگہ جائے۔ جس کو اِدھر اُدھر بدنظری کا خطرہ ہو، یہاں اُس کے لیے آنا جائز نہیں ہے، کیونکہ وہاں طرح طرح کے لوگ پہنچتے ہیں۔ تو حضرت نے اس تفریحی مقام کا ادب بتایا کہ جس کو مشق ہو، وہ ایسی جگہ جائے، نظر بر قدم بر شجر بر حجر، ورنہ اگر

اِدھر اُدھر دیکھنے بھالنے کی عادت ہے اُس کے لیے آنا جائز نہیں۔ بتائیے یہ سب آداب کون بتلا رہا ہے؟ عارف، کیونکہ یہ عارف تھے۔ عارف اور عالم میں فرق ہوتا ہے۔ جیسے کہ علامہ اقبالؔ مرحوم ہمارے حضرت اکبرؔ الٰہ آبادی مرحوم کو عارف کہتے تھے۔ حضرت تھانوی بھی اُن کو عارف فرماتے ہیں۔ عارفِ زمانہ، متدین شاعر، ایک زمانے میں علامہ نے لکھا:

خاکِ وطن کا مجھ کو ہر ذرّہ دیوتا ہے

تو حضرت اکبر نے پسند نہیں کیا، یہ کیا مشرکانہ تصور ہے؟ پھر انھوں نے لکھا کہ:

سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا

کہا: نہیں، ابھی نہیں پہنچے حقیقت تک، پھر انھوں نے تیسرے دور میں لکھا:

چین و عرب ہمارا، ہندوستاں ہمارا
مسلم ہیں ہم، وطن ہے سارا جہاں ہمارا

کہا: حضرت اب تو خوش ہو جائیں گے؟ حضرتِ اکبر نے جواب لکھا: نہیں بھئی، اور فرمایا:

رقبے کو کم سمجھ کر اقبال بول اٹھے ہیں
ہندوستان کیسا، سارا جہاں ہمارا
لیکن یہ سب غلط ہے، کہنا یہی ہے لازم
جو کچھ ہے سب خدا کا، وہم و گماں ہمارا

تو علامہ اقبال نے لکھا کہ حضرت میں آپ کے سامنے ہاتھ جوڑتا ہوں، آپ عارِف، میں شاعر۔ تو حضرت تھانوی بھی اُن کو عارف فرمارہے ہیں، علامہ نے بھی اُن کو عارف مانا اور جب اکبر کا انتقال ہوا تو اُن کے بیٹے کو علامہ اقبال نے جب تار دیا ہے، تعزیتی خط بھی لکھا۔ اُس میں لکھا کہ ”آپ کے والدِ بزرگ وار، ہمارے زمانے کے سب سے سمجھ دار اور دانش مند آدمی تھے“۔ میرا بھی خیال یہی تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اِن کو عقل و

دانش اور شعور سے بڑا حصہ عطا فرمایا تھا، ورنہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ ہر کس و ناکس کے معترِف ہو جائیں؟
میں نے اپنے والد صاحب سے سنا، اُنھوں نے اپنے والد صاحب سے سنا کہ حضرت اکبر الٰہ آبادی مرحوم کی عیادت کو حضرت تھانوی رحمہ اللہ الٰہ آباد تشریف لائے تو اُس وقت وہ مرض الوفات میں تھے۔ حضرت سے عمر میں کافی بڑے تھے۔ وہ چونکہ جج تھے، جو اُن کا بنگلہ تھا، اُس کا نام عشرت منزل تھا، میں نے دیکھا ہے۔ تو وہاں حضرت تشریف لے گئے اور غالباً نمازِ مغرب کا وقت ہو گیا۔ تو اُنھوں نے درخواست کی کہ حضرت آپ نماز پڑھا دیں، تو حضرت نے نماز پڑھا دی۔ نماز کے بعد اُنھوں نے حضرت سے عرض کیا کہ حضرت میں نے آپ کی اقتدا میں جو نماز پڑھی ہے، اس سے مجھے اپنی مغفرت کی امید ہو گئی ہے۔ وہ حضرت کے بڑے معتقد تھے اور حضرت اُن کے معترف تھے کہ بات کہنے کا بڑا سلیقہ رکھتے ہیں۔

میں نے حضرت مولانا ابرار الحق صاحب سے ایک واقعہ یہ بھی سنا کہ ہمارے حضرت خواجہ مجذوب الحسن صاحب جس مجلس میں ہوتے تھے تو باوجودیکہ بڑے بڑے علمائے اعلام، بڑے اصحابِ علم و فضل موجود ہوتے تھے مگر متکلّم اُس مجلس میں حضرت خواجہ صاحب ہوتے تھے۔ مولانا ابرار الحق صاحب نے فرمایا کہ میں دیوبند میں حضرت خواجہ صاحب کے ساتھ گیا تو حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب اور حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب اُن کے ساتھ بیٹھے تھے۔ فرمایا کہ حضرت کو محویت ہو جاتی تھی، شاعر بھی تھے، علامہ سید سلیمان ندوی سے کسی نے پوچھا کہ آپ میں اور مجذوب صاحب میں کیا فرق ہے؟ فرمایا کہ میں خطیب ہوں، وہ شاعر ہیں، خطیب کی نظر مجمعے پر ہوتی ہے، شاعر کی اپنے اوپر ہوتی ہے، مجمع سن رہا ہے یا سو رہا ہے اِس سے کوئی بحث نہیں۔ فرمایا کہ دوستی تو ہے ہماری اُن کی لیکن فرق یہ ہے۔ بہرحال، فرمایا کہ خواجہ صاحب اور دیگر حضرات دار الاہتمام میں بیٹھے اور حضرت مہتمم صاحب نے ادباً اُن سے نہیں فرمایا کہ چھٹی ہو گئی ہے۔ جب ایک گھنٹا زائد ہو گیا تو گھڑی دیکھ کے فرمایا اچھا، دیر ہو گئی؟ اُنھوں نے فرمایا کہ حضرت کچھ حرج نہیں، کہا: کتنی دیر ہوئی؟ کہا: ایک گھنٹا۔ حضرت خواجہ صاحب نے جیب سے پیسے نکالے اور فرمایا: یہاں پنکھا چل رہا تھا، یہ رقم مالیات میں داخل کر دیجیے گا۔ تو اُس محویت میں حقوق العباد اور حقوق اللہ وہ سبق نہیں

بھولے جو حضرت کے ہاں پڑھا تھا۔

ہم نے آغاز میں سورۃ العصر کی تلاوت کی جس میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے زمانے کی قسم کھائی ہے، زمانے سے کیا مراد ہے؟ مفسرین نے مختلف اقوال نقل کیے ہیں، بہترین، مختصر اور جامع تفسیر ہمارے شیخ الاسلامِ والمسلمین حضرت مولانا علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی رحمہ اللہ کی ہے۔ جن کے بارے میں حضرت تھانوی رحمہ اللہ کا یہ ارشاد میں نے پڑھا کہ جماعتِ دیوبند میں مولوی شبیر احمد عثمانی گو عمر میں مجھ سے چھوٹے مگر علم و فضل میں بڑے ہیں۔ تو علامہ شبیر احمد صاحب کی ایک جلد میں بڑی جامع تفسیر، دریا بکوزہ، جو تعریف علامہ سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ نے لکھی ہے، یادِ رفتگاں میں اُنھی کا تذکرہ کرتے کرتے اچانک حضرت کا وصال ہو گیا اور وہ تذکرہ پورا نہیں ہوا ہے۔ اُس میں اُنھوں نے اُس تفسیر کی جو تعریف کی ہے، بعینہ بلفظہ وہی تعریف میں نے حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی رحمہ اللہ سے سنی۔ علامہ عثمانی رحمہ اللہ نے اُن سے پوچھا تھا کہ آپ دار العلوم ندوۃ العلماء میں کیا پڑھاتے ہیں؟ تو انھوں نے کہا کہ حضرت کچھ ادب کی کتابیں ہیں اور کچھ قرآنِ پاک کا ترجمہ اور تفسیر ہے۔ علامہ نے پوچھا: اچھا، اور آپ نے ہمارا موضح الفرقان جو حاشیۂ تفسیر ہے، شیخ الہند رحمہ اللہ کے ترجمے پر، وہ دیکھا ہے؟ علی میاں رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے کہا: حضرت میں مستقل دیکھتا ہوں، مستفید ہوتا ہوں۔ فرمایا: آپ کیا محسوس کرتے ہیں؟ کہا کہ حضرت اُس میں قولِ فیصل مل جاتا ہے، اگر اٹھارہ، بیس تفسیروں میں تردد ہو کہ قولِ فیصل کیا ہے، تو وہ اُس میں مل جاتا ہے۔ تو حضرت نے فرمایا: ماشاء اللہ، آپ قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، ایسا ہی ہے، میں نے اٹھارہ بیس، تفسیروں کے بعد، جس پر مجھے شرحِ صدر ہوا کہ یہ ہونا چاہیے، وہ تعبیر میں نے اختیار کی، اُس میں قولِ فیصل ہی لکھنے کی کوشش کی ہے۔ آپ ماشاء اللہ قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

بہر حال، بات ہو رہی تھی کہ تفسیرِ عثمانی میں علامہ نے لکھا: "مقرر انسان ٹوٹے میں ہے"۔ یعنی سارے انسان خسارے میں ہیں، نقصان میں پڑے ہوئے ہیں مگر کون سے انسان مستثنیٰ کیے گئے؟ چار طبقے: مومنین صالحین، یعنی عقائد اُن کے بالکل درست ہوں۔ ایمانیات سے مراد سارے عقائد درست ہونا، اگر آدمی کا ایمان

اور سارے عقائد درست نہیں ہیں تو وہ مومن نہیں ہے، سارے عقائد درست ہوں تو ایمانیات کی تکمیل ہوگی۔اس کے ساتھ ساتھ عمل بھی نیک ہو، ایسے لوگ خسارے میں نہیں ہیں۔تیسرا طبقہ ان کا ہے جو حق کی ایک دوسرے کو تلقین کرتے ہیں اور حق پر استقامت کے نتیجے میں جو مشکلات پیش آتی ہیں، ان پر صبر کرتے ہیں۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:﴿أَحَسِبَ النَّاسُ أَن يُتْرَكُوا أَن يَقُولُوا آمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُونَ﴾ کہ کیا تم نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ بس تم آمنّا کہہ دو گے؟بس آمنّا و صدّقنا کہنے کے بعد چھٹی، راستہ صاف؟تم کو آزمایا نہیں جائے گا اور فتنے میں نہیں ڈالا جائے گا؟ فرمایا: جو جتنا اللہ سے قریب ہے، انبیا، صدیقین، شہدا اور صالحین، اُن کے قرب کے بقدر اُن کی آزمائش ہوتی ہے۔اور صبر کرنے کا مطلب پٹنا نہیں ہے۔ حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ لوگ کہتے ہیں کہ جان دے دیں گے، شہید ہو جائیں گے، نہیں بھئی:﴿يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللهِ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ﴾ فرمایا: وہ تو نتیجتاً شہید ہونا ہے، پہلے کسی کو قتل کرو پھر تم جانا۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ کو لکھا ہے کہ اس وقت لوگوں میں جذبۂ جہاد اور جذبۂ جنگ میں خلط ہو رہا ہے، جذبۂ جہاد مومنانہ جذبہ ہے اور جذبۂ جنگ کافرانہ جذبہ ہے، اُس میں فقط قوم و وطن کا تحفظ مقصود ہوتا ہے، اعلاے کلمۃ اللہ مقصود نہیں ہوتا۔اسی کو ہمارے حضرت خواجہ مجذوب رحمہ اللہ نظم میں فرماتے ہیں:

جس کو دیکھو لڑ رہا ہے ما و من کے واسطے
کر رہا ہے جان کو قربان تن کے واسطے
سب تو ہیں شمشیر زن قوم و وطن کے واسطے
تو اٹھا تلوار ربِ ذوالمنن کے واسطے

جب ۱۹۸۰ء میں دار العلوم دیوبند کا اجلاس صد سالہ ہوا تو حضرت مہتمم صاحب کے اوپر فکر اور بوجھ تھا، اُس دن حضرت نے حضرت مولانا علی میاں رحمہ اللہ سے فرمایا کہ آج بیان آپ فرمادیں۔ تو حضرت مولانا

علی میاں نے تقریباً پون گھنٹا اردو میں خطاب فرمایا، پھر اُس کو فضلاے عرب کے واسطے عربی میں بھی دہرایا۔ تو اُس میں جو خلاصتاً حضرت نے بات فرمائی تھی کہ بھئی یہ دیوبندی کہا جاتا ہے، فرمایا: دیوبندی کسے کہتے ہیں؟ دیوبندی تو دیوبند کے رہنے والے کو کہتے ہیں، یہ کسی دین و مذہب، مسلک و مشرب کا ترجمان نہیں ہے۔ فرمایا: لیکن جو یہ لفظ ہے، جس کے لیے عرفِ عام میں اس کو بولا جاتا ہے یعنی دیوبندی، اُس کے لیے چار شرطیں ہیں، چار اوصاف ہیں، چار صفات ہیں۔ اگر وہ نہیں ہیں تو اُس کو دیوبندی کہنے کا، قاسمی لکھنے کہنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ وہ چار اوصاف ہیں: تعلق مع اللہ، یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ اُس کا تعلق، ذکر اللہ، یعنی اللہ تعالیٰ کی یاد اُس کے دل و دماغ میں رچی بسی ہوئی ہو، اتباعِ سنتِ رسول اللہ اور اِعلاے کلمۃ اللہ۔ فرمایا: یہ چار چیزیں اگر وہ رکھتا ہے، تب اُس کو کہا جائے گا کہ یہ ہے قاسمی، یہ ہے دیوبندی۔ اسی لیے حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ہمارے تین افراد معیاری ہیں: امام الاصول حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی، امام الفروع حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی اور جامع الاصولِ والفروع حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہم۔ اللہ تعالیٰ نے اسی طرح اہلِ صراطِ مستقیم ہر زمانے میں بھیجے ہیں۔ یہ بالکل غلط فہمی ہے کہ کوئی معیارِ حق نہیں، درپردہ کیا کہنا مراد ہوتا ہے کہ ہم ہی ہیں معیارِ حق، ہم ہی کو مان لو سب کچھ، یہ تو ادّعا ہے، دعویٰ ہے، اسی لیے میں نے حضرت مولانا ابرار الحق رحمہ اللہ کو کبھی وجد کی کیفیت میں نہیں دیکھا۔ حضرت، غالب علی الاحوال تھے، حضرت کی مغلوب الحال کیفیت نہیں تھی۔ والد صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ فلاں نے لکھا ہے کہ کوئی معیارِ حق نہیں، عجیب بے ڈھنگی بات لکھی ہے۔ فرمایا کہ ہر زمانے میں اللہ تعالیٰ نے انبیا اور صدیقین، شہدا اور صالحین کی شکل میں معیارِ حق، اہلِ حق پیدا فرمائے ہیں۔ اور ہمارے لیے حکیم الامت، مجدد الملت، محی السنۃِ الظاہرہ والباطنہ حضرت مولانا تھانوی نور اللہ مرقدہٗ کو معیارِ حق بنایا۔ یہ سن کر حضرت مولانا ابرار الحق صاحب کے اوپر ایک کیفیت طاری ہوگئی۔ فرمایا: بے شک، بے شک، بے شک، بار بار تکرار فرمایا بے شک۔

تو یہ میں عرض کر رہا تھا کہ حضرت مولانا قاری محمد طیب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ حضرت علامہ محمد ابراہیم

بلیاوی رحمہ اللہ فرماتے تھے: ''ہمارے لیے امام الاصول حضرت نانوتوی رحمہ اللہ ہیں، امام الفروع حضرت گنگوہی رحمہ اللہ ہیں اور جامع الاصول والفروع حضرت تھانوی رحمہ اللہ ہیں۔ اسی طرح شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمہ اللہ نے حضرت مولانا مفتی محمود گنگوہی رحمہ اللہ کے قلم سے حضرت مولانا حکیم محمد ایوب سہارنپوری رحمہ اللہ کو مدرسے کے مذہب و مسلک و مشرب کے سلسلے میں لکھوایا تھا کہ اکابرِ مظاہرِ علوم کا ارشاد ہے کہ مدرسے کا مذہب و مسلک و مشرب سنّیت، حنفیت اور چشتیت ہے۔ اور اس کی تشریح و توضیح بھی کر دینی چاہیے، کیونکہ ہر کس و ناکس اپنے آپ کو سنیُ المذہب، حنفیُ المسلک اور چشتیُ المشرب قرار دینے کی کوشش کر رہا ہے۔ اس لیے یہ کیسے پتا چلے گا کہ یہ سنیت، حنفیت اور چشتیت کیا ہے، اس کی تعبیر کیا ہونی چاہیے۔ پس جو تعبیر فقیہُ النفس حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی، حجۃُ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی اور حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہم اللہ کی کتابوں سے معلوم ہوتی ہے وہ سنیت، حنفیت اور چشتیت کے بارے میں معتبر و معتمد اور مستند ہوگی۔

حضرت نانوتوی رحمہ اللہ اور حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کے درمیان فرق حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ جب حضرت نانوتوی بات کرتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ کوزے سے دریا بہا رہے ہیں، جب حضرت گنگوہی بولتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ یہ دریا کو کوزے میں بند کر رہے ہیں۔ تو وہ ایک بات سے دوسری بات، تیسری بات، چوتھی بات فرماتے تھے۔ حضرت حکیم الاسلام رحمہ اللہ نے متن لکھا اور تیس سال میں باقاعدہ اس کی شرح ''علمائے دیوبند کا دینی رخ اور مسلکی مزاج'' لکھی ہے۔ اس میں وہ فرماتے ہیں کہ ہم دیناً مسلم، مذہباً سنی، مسلکاً حنفی، مشرباً صوفی اور قوسین میں لکھا جامعِ سلاسلِ صوفیا، چشتیہ، قادریہ، نقشبندیہ، سہروردیہ اور اعتقاداً و کلاماً اشعری اور ماتریدی، فکراً ولی اللّٰہی، اصولاً قاسمی، فروعاً رشیدی، بیاناً یعقوبی اور نسبتاً دیوبندی ہیں۔ گویا ﴿تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ﴾ ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان نسبتوں سے ہم سب کو وابستہ رکھیں۔ ﴿نَطْمَعُ أَن يُدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصَّالِحِينَ﴾ ﴿تَوَفَّنَا مُسْلِمًا وَأَلْحِقْنَا بِالصَّالِحِينَ﴾ غیر خزایا ولا ندامیٰ ولا مفتونین.

والد محترم ترجمانِ حق حضرت مولانا مفتی عبدالقدوس رومی فرماتے تھے کہ فقہاے دیوبند کا مصداق تین ہیں: نمبر ایک فقیہ النفس حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی، نمبر دو محدث فقیہ حضرت مولانا خلیل احمد انبھٹوی، نمبر تین حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔ احقر کا ایک مختصر سا تجزیہ ہے جو بنیادی حیثیت سے تربیتِ والدین، تعلیمِ معلمین، اصلاحِ مصلحین اور مرشدین سے متعلق ہے۔ یہ سلسلہ، یہ وابستگی اِسی ترتیب سے جہاں رہے گی، وہاں گھر بھی بن جائے گا بلکہ نسل بن جائے گی۔ جہاں صرف والد، شوہر دین دار ہوتا ہے، وہاں گھر دین دار ہوتا ہے اور جہاں عورت دین دار ہوتی ہے، وہاں نسل دین دار ہو جاتی ہے، اِتنا فرق ہے۔ اور اگر دونوں دین دار ہوں تو نورٌ علی نور، گھر اور نسل دونوں دین دار ہو جائیں گے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ ہم سب کو اتباعِ سنت، اہتمامِ شریعت اور التزامِ طریقت نصیب فرمائیں، اُسی پر گامزن رکھیں۔ جب تک ہم سب جییں، اسلام پر جییں، جب خاتمہ ہو تو کمالِ ایمان پر ہو۔ دنیا میں اللہ تعالیٰ ہدایت پر قائم رکھیں، آخرت میں بلا حساب و کتاب نجات عطا فرمائیں۔

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين

*****